جناب ڈاکٹر ظہور الحق

دارالعلوم دیوبند

میرے چند مشاہدات وتجربات

میرے خاندان کے افراد دینی علوم کی تحصیل کے لیے مظاہر العلوم سہارنپور جایا کرتے تھے۔ میں وہ پہلا شخص ہوں جو عربی اور دینی تعلیم کی تکمیل کے لیے دارالعلوم، دیوبند گیا۔ اِس مخزنِ علوم اور مایۂ ناز ادارے کی کشش کے جہاں بہت سے اسباب تھے ان میں سے ایک بنیادی سبب یہ تھا کہ یہاں کے اساتذۂ کرام اور طلبہ نے برطانوی استعماریت اور اس کے تند و تیز طوفان کے خلاف جس جہد مسلسل اور بلند حوصلگی سے کام لیا اور اپنی ملت کی بقا، قوم و ملک کے تحفظ اور ایک علمی، اخلاقی اور ملی نصب العین کے لیے انھوں نے جو بے لوث قربانیاں دیں اُن سے میرے دل و دماغ پر ایسے اثرات مرتب ہوئے تھے جن کی گرفت روز بروز مضبوط ہوتی جارہی تھی اور دارالعلوم پہنچنے کی لگن تیز سے تیز تر۔ اس کے علاوہ میرا یہ خیال تھا کہ وہاں میرے علمی ذوق کی تشنگی کا سامانِ سیرابی بڑے پیمانے پر مہیا ہوسکے گا اور بحث ومباحثہ کی صلاحیتوں اور قوتوں کے اظہار کے لیے مجھے وسیع میدان ملے گا، تعلیم وتدریس کے اصول وقواعد سیکھنے اور انھیں برتنے کا سلیقہ آئے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملت کے قابل فخر رہنماؤں اور ان کی عظیم شخصیتوں کا قرب میرے لیے اخلاقی وروحانی فیض کا باعث بنے گا۔

مجھے اندیشہ تو یہ تھا کہ میرے خاندان والے میرے خیال کی تائید نہ کرتے ہوئے میرے اس باغیانہ اقدام کو ناپسند کریں گے اور میرا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا مگر برخلاف اس کے جب میری خواہش اور میرے فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا اور بخوشی مجھے دارالعلوم جانے کی اجازت دے دی گئی تو میری مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

دارالعلوم دیوبند میں قدم رکھتے ہی میرا خیال یقین میں بدل گیا۔ تصور ایک جیتی جاگتی حقیقت بن گیا۔ مجھے اپنے فیصلے پر خود ہی رشک آنے لگا۔ مظاہر العلوم کے مقابلے میں یہاں اساتذہ اور طلبہ کی تعداد دوگنی سے بھی زیادہ تھی۔ روح پرور ماحول، دینی ومذہبی افکار سے سرشار فضا، علم کے شیدائی کا اجتماع، گویا مجھے پکار پکار کر دعوتِ فکر وعمل دے رہا تھا۔ میں نے یہاں اکابرِ ملت اور اساتذۂ کرام کی شفقت ومحبت، محنت ولگن اور استغناء وتوکل کے وہ نمونے دیکھے جنھیں میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ طلبہ کو یہاں تعمیر سیرت اور کردار سازی کے مواقع دوسرے اداروں کی بہ نسبت اس لیے زیادہ ملتے ہیں کہ یہاں کے اساتذہ اپنے مثالی کردار، بلند اخلاق اور پاکیزگی افکار کے گہرے نقوش ان پر ثبت کرتے ہیں۔

کتابوں سے کہیں زیادہ اساتذہ کا حسنِ عمل اور بے غرضانہ خلوص طلبہ کی شخصیتوں اور ان کے اذہان کے لیے موثر ثابت ہوتا ہے۔ میں اِس سلسلے میں اپنے چند مشاہدات وتجربات پیش کرنا چاہوں گا۔ جہاں تک اساتذہ کی شفقت ومحبت کا تعلق ہے تو حقیقتاً وہ اپنے طلبہ سے اِسی طرح پیش آتے تھے جس طرح والدین آتے ہیں۔ اقامت گاہوں میں پابندی سے تشریف لاتے۔ طلبہ کی تمام ضروریات کا خیال رکھتے۔ ہر طرح سے ان کی خیر خبر لیتے۔ اگر کوئی طالب علم مالی تنگی کی وجہ سے ہوسٹل میں قیام نہیں کرسکتا تھا تو اس کی دلجوئی کرتے، اس کا حوصلہ بڑھاتے اور اس کو ہر ممکن مدد دیتے۔ خود میرے قریب کے کمرے میں ایک نوارد طالبِ علم کا واقعہ ہے کہ داخلے کے امتحان میں اس کو اتنے اچھے نمبر نہ مل سکے کہ وظیفے کی اتنی رقم پانے کا مستحق ہوتا جس سے وہ اپنے اخراجات پورے کرسکتا اس کو تو تحصیل علم کا شوق کشاں کشاں دیوبند لے آیا تھا ورنہ اس کی معاشی حالت اس کی اجازت نہ دیتی تھی۔ وظیفہ نہ ملنے کی صورت میں اس نے مجبوراً اپنے گھر جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اساتذہ تک اس کی خبر کس طرح پہنچی۔ بہرحال چوبیس گھنٹے کے اندر اندر تین استاد باری باری اس لڑکے کے پاس آئے اور صورتِ حال معلوم کی۔ جب ان کو لڑکے کے فیصلے کا علم ہوا تو انھوں نے پوری ذمے داری کے ساتھ اس کے سارے تعلیمی مصارف کی کفالت اپنے سر لے لی۔ اس کو تسلی وتشفی دی اور ہوسٹل میں اس کے قیام کا انتظام کردیا۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے بڑی مسرت ہے کہ وہی طالب علم آج پاکستان کے ایک بڑے دینی مدرسے میں قال اللہ قال الرسول کی صدا بلند کیے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں ایسی ہیں جو استادان دارالعلوم کے پرخلوص رویے، ان کی بے پناہ ہمدردی اور قومی وملی درد سے بھرپور جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

یوں تو دارالعلوم میں رسمی طور پر صرف چھے گھنٹے تعلیم حاصل ہوتی ہے مگر عملاً بعد فجر سے گیارہ بجے رات تک اساتذہ وطلبہ درس وتدریس میں مشغول رہتے ہیں۔ کوئی بھی استاذ بغیر مطالعہ کیے ہوئے درسگاہ میں پڑھانے نہیں آتا۔ شیخ الادب والفقہ استاذی مولانا اعزاز علی نوراللہ مرقدہ فجر کی نماز کے بعد ''ہدایہ آخرین'' کا درس دینے کے لیے درجے میں آجاتے اور ڈھائی گھنٹے اپنی بارعب آواز میں اس دلچسپی اور محنت سے پڑھاتے کہ طلبہ دنیا ومافیہا سے بے خبر اِس میں محو ہوجاتے۔ حضرت مولانا یہ کتاب کم از کم بیس بار پڑھا چکے تھے مگر اس کے باوجود وہ بغیر مطالعہ کیے ہوئے کبھی نہ پڑھاتے۔ اگر کتاب کے حاشیے کو پڑھ کر کوئی طالب علم سوال کرتا تو جواب دینے کی بجائے اس سے یہ کہتے کہ ''مولوی صاحب آپ نے جہاں سے سوال کیا ہے وہیں اس کا جواب موجود ہے۔'' وہ ہمیشہ طلبہ سے علمی، سنجیدہ اور بلند سطح کے سوالات کرنے کی توقع رکھتے۔ دورانِ درس وہ ایسے طلبہ کی تلاش میں رہتے جو محنتی، مطالعے کے شوقین اور ضرورت مند ہوتے وہ ان کو یا تو اپنے مطالعے کے کمرے میں بلاتے یا خود ان کے کمروں میں جاکر بعد سلام کے ان کی خیریت معلوم کرتے اور سب سے چھپا کر حسب گنجایش امدادی رقم دینے کے بعد سلام کرکے چلے آتے۔ تحفہ اور ہدیہ قبول کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے یہ سنا کہ بڑی منت سماجت کے بعد اس نے حضرت مولانا کی خدمت

میں ایک قیمتی رومال تحفہ پیش کیا جس کو انھوں نے بڑی مشکل سے قبول کیا۔ کسی غلطی کی بناء پر یہ طالب علم دارالعلوم کی طرف سے سزا کا مستحق قرار پایا گیا۔ پانچ مہینے بعد یہی طالب علم اپنے اسی معاملے میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اپنا مسئلہ رجوع کیا۔ حضرت مولانا کچھ جواب دینے کی بجائے اٹھے، الماری کھولی اور وہ تحفہ جو اسی طرح ابھی الماری میں محفوظ تھا، شکریے کے ساتھ واپس کیا اور فرمایا کہ ''میری طرف سے آپ اس کو استعمال کریں'' پھر کہا ''آپ قاعدے کے مطابق درخواست دیں جو جو مدد ممکن ہوگی میں اس کے لیے حاضر ہوں۔'' دارالعلوم کے قاعدے کے مطابق اس کی سزا معاف نہیں ہوسکتی تھی۔ صرف مہتمم کو اختیار خصوصی کی بنا پر اس سزا کی معافی کا حق تھا۔ حضرت مولانا نے اس کی عرضی پیش کرتے ہوئے مہتمم صاحب سے ہمدردی کی درخواست کی۔ اس طرح وہ طالب علم بری ہوگیا۔ پھر حضرت مولانا اس کے کمرے میں پہنچے اور پہلے اس سے اِس اذیت کے لیے معذرت چاہی جو ان کے سخت رویے سے اُسے پہنچی تھی۔ اس کے بعد اس کو بری ہونے کی خوشخبری سنائی۔

حکیم اسلام استاذ مکرم مولانا طیب صاحب کے انداز تدریس کو کبھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ وہ شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیا کرتے تھے حالانکہ ان کی زندگی مصروف ترین زندگی تھی۔ دارالعلوم کے اندر اور باہر کے بے شمار ایسے مسائل تھے جس کی وجہ سے ان کا وقت کبھی خالی نہ رہتا۔ مگر جب بھی مولانا دیوبند میں ہوتے اپنی گوناں گوں مصروفیتوں میں سے وقت نکال کر حجۃ اللہ البالغہ کا درس دینے مقررہ کمرے میں آتے اور انتہائی پرسکون طریقے سے عالمِ استغراق میں پڑھانا شروع کرتے۔ اِس وقت ان کے ذہن میں کوئی مسئلہ اور اُلجھن نہ ہوتی۔ ان کی تمام تر توجہ درس پر مرکوز ہوتی۔ وہ علمی مسائل پر اس طرح بحث کرتے اور اس کو اس دلنشیں انداز میں سمجھاتے کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہتا۔ مولانا کے حکیمانہ اور متکلمانہ اندازِ بیان، علوم میں ان کی گہری بصیرت اور ان کی بارعب و پرکشش شخصیت کے انمٹ نقوش ہمیشہ میرے ذہن میں رہیں گے۔

یہاں کے اساتذہ میں توکل اور استغنا کی جو کیفیت دیکھی اس سے ادارے سے ان کی وابستگی اور دینی واخلاقی اقدار کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوسرے اداروں میں اساتذہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ آمدنی کے ذرائع تلاش کریں مگر یہاں کے اساتذہ اپنی قلیل تنخواہوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ادارے کی خدمت کو عین سعادت سمجھتے ہیں۔ کبھی کبھی تو بڑی تنخواہوں کی پیشکش کو بھی قابل اعتنا نہیں سمجھتے اور اپنے عزیز ادارے سے وابستگی کو باعثِ فخر خیال کرتے ہیں۔ میں نے علی گڑھ کے بعض بااثر ذمہ داروں کی ایما سے وہاں سے استاد کو یہ لکھا کہ انکی قابلیت واہلیت اور تجربے کے مطابق ایک اچھی آسامی خالی ہے۔ تقرر کی قوی امید ہے درخواست بھیج دیجئے میرے اس خط کے جواب میں ان صاحب نے درخواست کا مقررہ فارم واپس کردیا اور لکھا ''الحمدللہ میں یہاں بہت مطمئن ہوں۔ اکابر کی خدمت کے مواقع میسر ہیں۔ دارالعلوم کی ملازمت میرے لیے صرف ایک ذریعہ معاش نہیں ہے بلکہ ایک سعادت